تنزیل و تأویل

تفسیر سورۂ کوثر

مصنفۂ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمۂ جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

(۲)

نہر کوثر خانۂ کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانیت کی تصویر ہے

(۶) معراج میں جو نہر کوثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرائی گئی تھی، اس کی صفات پر جو شخص غور کرے گا، اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نہر کوثر درحقیقت کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی تمثال ہے۔ اس کے متعلق مختلف طرق سے جو روایات مروی ہیں ان کی مشترک حقیقت یہ ہے کہ کوثر ایک نہر ہے، اس کے کنارے پر مجوف موتیوں کے قبے ہیں، اس کی زمین یاقوت و مرجان اور زبرجد کی ہے، اس میں برتن ہیں جو آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، اس پر چڑیاں اترتی ہیں، جن کی گردنیں قربانی کے جانوروں کی طرح ہیں، ایک شخص نے کہا تب تو وہ بہت ہی خوش قسمت ہوں گی۔ آپ نے فرمایا:- ان کے کھانے والے ان سے زیادہ خوش قسمت ہوں گے، اس کے پانی کی آواز ایسی محسوس ہو گی جیسے تم اپنے دونوں کانوں میں انگلی ڈالے ہوئے ہو،

یہ تفصیلات ہم نے روایات جمع کر کے یکجا کی ہیں۔ بخاری میں یہ الفاظ ہیں۔

بینا انا اسیر فی الجنۃ اذا انا بنھر حافتاہ قباب الدر المجوف فقلت ما ھذا یا جبریل

میں جنت میں چل رہا تھا کہ ناگہاں ایک نہر پر گذر ہوا، اس کے دونوں کناروں پر مجوف موتیوں کے قبے تھے

قَالَ ھٰذا الكوثر الذى اعطاك ربكَ قَالَ فضرب الملك بيده فاذا طينة مسك اذفر۔

میں نے جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے رب نے بخشا ہے۔ فرمایا پھر فرشتے نے زمین پر ہاتھ مارا تو اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک تھی۔

اب ایک لمحہ توقف کرکے کعبہ اور اس کے ماحول کے مشاہدات پر غور کرو، جب تمام اکناف عالم سے موحدین کے قافلے عشق و محبت الٰہی کی پیاس بجھانے کے لیے اس چشمہ خیر و برکت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں تو کیا اُن کے احساس روحانی میں اس مقدس وادی کے سنگریزے یاقوت و زمرد سے زیادہ چمکیلے اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار، اور اس کے ارد گرد حجاج کے خیمے، مجوف موتیوں کے قبوں سے زیادہ حسین و خوبصورت نہیں ہیں؟ ایک قدم آگے بڑھ کر پھر غور کرو! حجاج اور ان کے ساتھ قربانی کے اونٹوں کی قطاروں میں تم کو کس حقیقت کا جلوہ نظر آتا ہے؟ کیا یہ ایک چشمہ کے کنارے لمبی گردن والی چڑیوں کا جھنڈ نہیں ہے؟ پھر ان کی خوش بختی اور فیروزمندی پر غور کرو۔ یہ اشرف المخلوقات انسان کی قائم مقام بن کر خدا کے سامنے قربان ہوں گی۔ گویا وہ بمنزلہ انسان ہیں، ان سے بڑھ کر خوش بخت اور فیروز مند کون ہوسکتا ہے۔ پھر ان کے خوش قسمت کھانے والوں کو دیکھو۔ یہ کون ہیں؟ اللہ کے مہمان! کیا اللہ کے مہمانوں سے بھی بڑھ کر کسی کا طالع اچھا ہے؟ ایک نگاہ تعمق اس تشبیہ کے محاسن پر بھی ڈالو، حوض پر اترنے والی چڑیوں کو قربانی کے اونٹوں سے تشبیہ دیکر اور ان کے کھانے والوں کا ذکر کرکے اشارہ کردیا کہ چڑیوں سے مقصود یہی قربانی کے اونٹ ہیں، پھر اشارہ کتنا لطیف ہے۔ چڑیوں کی گردن کو قربانی کے اونٹوں کی گردن سے تشبیہ دی کہ اس جزء سے پورے کل پر روشنی پڑ جائے۔ نیز دیکھو! "بدن" کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ "جزور" کا لفظ استعمال کیا جس کی عمومیت میں ابہام ہے۔ تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنی رازداری؟ اور اس قدر اشارات و کنایات کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ عقل سلیم اس سے حقائق

کا استنباط کرے۔ اللہ تعالیٰ جب قرآن میں دلائل حکمت کی تفصیل کرتا ہے تو آخر میں عموماً یہ آیت آتی ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ اس میں غور کرنے والوں کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں کہیں کہیں "یعلمون" اور "یتفکرون" کے الفاظ بھی آتے ہیں، جس طرح قرآن مجید میں سراپا دعوت فکر و نظر ہے۔ اسی طرح اس کا حامل بھی بہترین معلم تھا، وہ عقل انسانی کی تربیت کرتا تھا اور اس کو اکتساب حکمت کے لائق بناتا تھا۔ اس تربیت عقل کے لئے آپ بسا اوقات صحابہ سے بعض امور کی باہمی مخفی مناسبتوں کے متعلق سوالات کرتے تھے مثلاً ایک مرتبہ آپ نے پوچھا درختوں میں مومن سے اشبہ کون درخت ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام امثال میں گفتگو فرماتے تھے، لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کھول کر بات کیوں نہیں کہتے انہوں جواب دیا "تاکہ عقلا ہی سمجھیں" بعینہ یہی حقیقت قرآن پاک کی اس آیت میں ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ یہ مثلیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن اس کو وہی سمجھیں گے جو اہل علم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اشارات کو تعلیم و تربیت میں مخصوص اہمیت حاصل ہے۔

یروشلم کی روحانیت ہم نے گذشتہ فصل میں خانہ کعبہ کی روحانیت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، مکاشفات یوحنا باب ۲۱ میں اسی کے مشابہ یروشلم کی روحانیت بیان کی گئی ہے۔

" اور وہ مجھے روح میں ایک بڑے اور اونچے پہاڑ پر لے گیا۔ اور شہر مقدس یروشلم کو خدا کے پاس سے اترتے دکھایا۔ اس میں خدا کا جلال تھا۔ اور اس کی چمک نہایت قیمتی پتھر یعنی اس یشب کی سی تھی جو بلور کی طرح شفاف ہو (اس کے بعد اس کی شہر پناہ، ساخت، دروازوں اور اس کے رہنے والوں یعنی خاندان اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے تذکرہ کے بعد کہا) اور اس کی شہر پناہ کی تعمیر یشب کی تھی، اور شہر ایسے خالص سونے کا تھا جو شفاف شیشے کے مانند ہو، اور اس شہر کی شہر پناہ کی بنیادیں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھیں یعنی

بنیاد یشب کی تھی، دوسری نیلم کی، تیسری شب چراغ کی، چوتھی زمرد کی، پانچویں عقیق کی، چھٹی لعل کی، ساتویں سنہرے پتھر کی، آٹھویں فیروزے کی، نویں زبرجد کی، دسویں ہمنی کی، گیارہویں سنگ سنبلی کی، اور بارہویں یاقوت کی۔ اور بارہ دروازے بارہ موتیوں کے تھے، ہر دروازہ ایک ایک موتی کا تھا، اور شہر کی سڑک شفاف شیشے کے مانند خالص سونے کی تھی" اس کے بعد کہا ہے کہ اس میں کوئی مقدس نہیں ہے اور اس میں صرف ایک خدا کی عبادت ہوگی۔

ممکن ہے کہ نقل و روایت میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی ہو۔ ہمارا مقصد اس سے صرف یہ دکھانا ہے کہ دنیا میں جو اعیان و اعراض ہیں، ان کی روحانی مثال کا خیال ایک معلوم و مشہور حقیقت ہے۔ یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں صرف ان صفات کا تذکرہ کیا ہے جو قوت باصرہ کی گرفت میں آتی ہیں لیکن کعبہ کی جو روحانیت بیان ہوئی ہے اس میں ہر حاسہ کے لیے حلاوت ہے، یہاں تک کہ پانی کی روانی کی آواز کا بھی ذکر ہے، اور ایک پیاسے کے لیے، دورسے پانی کی روانی کے نغمہ سے زیادہ شیریں اور جانفزا نغمہ کیا ہو سکتا ہے۔ پھر جو دیدار الٰہی کی پیاس سے تڑپ رہے ہیں، ان کے لیے شیریں اور ٹھنڈے پانی کی سیرابی اگر نہیں ہے تو کیا ہے؟ حضرت مسیح نے ایسوں ہی کے بارہ میں فرمایا ہے:-

"مبارک ہیں وہ، جو بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہی آسودہ ہوں گے"۔

انا اعطیناک الکوثر کی تفسیر (۸) لفظ کوثر کا ٹھیک مطلب معلوم ہو جانے کے بعد پہلی آیت کی تفسیر صاف ہو گئی۔ یعنی پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برکت اور کثرت امت کی جو گرانمایہ دولت مقدر تھی اس آیت میں اسی کا پیام بشارت ہے۔ جب اس وعدہ کی تکمیل کا وقت قریب آگیا، اس کی خبر دیدی گئی کہ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے لیے اسلام کے غلبے اور فتح مکہ کی خوشخبری ہو۔ یعنی سادہ لفظوں میں گویا یوں کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز پڑھنے والی اور راہ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم الشان امت دی ہے جو بیت اللہ الحرام کا حج کرے گی۔ چنانچہ سورہ حج میں ہے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ۔ . . . .

یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کے پاس آباد کیا اور یہ ہدایت کی کہ میرا کسی کو ساجھی نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور میری عبادت میں کھڑے ہونے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں (یعنی نماز پڑھنے والوں) کے لیے پاک رکھنا، اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، وہ تمہارے پاس پیادہ اور لاغر اونٹوں پر گہرے راستوں سے آئیں۔ (یعنی خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے قریب سے پیادہ آئیں اور دور دراز گوشوں سے سدھائے ہوئے لاغر اونٹوں پر۔ اور مکہ میں ہر راہ سے داخل ہوں، یہاں تک کہ آمد و شد کی کثرت سے راستے گہرے ہو جائیں) تاکہ اپنے منافع کی جگہ پر آئیں (یعنی یہ شہر ان کا مرکز بنے گا، وہ اس کی تجارت سے منفعت حاصل کریں گے، اور اس میں ان کا باہمی اختلاط، ان کے اجتماعی رشتوں اور رحمی تعلقات کے استحکام کا ذریعہ ہوگا۔ چنانچہ عرفات کے اجتماع میں خطیب ان کو صلح اور صلہ رحم کی دعوت دیتا تھا۔ اور اسی وجہ سے عرب مکہ کو صلاح اور ام الرحم بھی کہتے تھے۔ اس سے زیادہ معاشی اور اجتماعی فوائد اور کیا ہو سکتے ہیں؟) . . . .

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (حج۔ ۲۶-۲۷-۲۸)

اور چند متعین دنوں میں، ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو روزی کیے ہیں اللہ کا نام لیں (یہ وہی منفعت ہے۔ عربوں نے باوجود شرک کے خدا کو نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ اس کے دربار کے لیے شفعاء ٹھیرا لیے تھے) پس اس سے کھاؤ اور تنگ حال فقیر کو کھلاؤ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ ایک عظیم الشان امت کے لیے، توحید، نماز، اور اطعام

فقراء کا مرکز بنا یا گیا ہے۔ اور وہ امت دنیا کے تمام گوشوں سے اس کے حج کے لیے مجتمع ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اس عظیم الشان امت کے لیے ایک نبی مبعوث فرمائے۔ یہ دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ذریت کی کثرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور توریت میں ہے کہ کثرت ذریت کا وعدہ حضرت اسمٰعیل کی نسل میں خاص طور پر پورا ہوگا اہل کتاب کو اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ اور اوائل بعثت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو اس بخشش کی خوشخبری دیدی تھی چنانچہ سورۃ الضحیٰ میں ہے:۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ عنقریب تیرا خدا اپنی بخشش سے تجھے خوش کردے گا۔

یہی وعدہ جس کے قرب کا ذکر فرمایا تھا "انا اعطینا" کہکر پورا کر دیا۔ اب لفظ کوثر کو سامنے رکھکر "فترضیٰ" کی تفسیر پر غور کرو! رحمت عالم کو غایت رحمت کی وجہ سے، لوگوں کی ہدایت و صلاح کی جو بے پایاں آرزو تھی، وہ ایک محدود امت کے ایمان و اسلام سے نہیں پوری ہوسکتی تھی، اور نہ اس طرح پوری ہوسکتی تھی کہ دنیا میں تو آپ کے متبعین کی کثرت ہو لیکن آخرت میں یہ نعمت چھن جائے اور حوض کوثر پر انکی تعداد تھوڑی رہ جائے۔ "فترضیٰ" اور "الکوثر" کے الفاظ نے ان تمام شبہات کا ازالہ کر دیا۔ چنانچہ بکثرت احادیث صحیحہ میں کثرت امت کا ذکر آیا ہے۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں پہلی آیت پر غور کرو! اس میں متعدد بشارتیں پنہاں ہیں

۱۔ مکہ عنقریب فتح ہوگا۔

۲۔ لوگوں کی کثیر تعداد، آپ کی امت میں داخل ہوگی۔

۳۔ ان لوگوں کے زعم کے خلاف، جو کہتے ہیں کہ اس امت کا بڑا حصہ مرتد ہوجائے گا ایک بڑا طبقہ دین حق پر قائم رہے گا۔

ان کے علاوہ اور متعدد بشارتیں اس سورۃ میں پنہاں ہیں، جن کی تفصیل بعد میں آئے گی

یہ پوری سورت بشارتوں کا مجموعہ ہے۔ وللہ الحمد۔

فصل لربک وانحر کی تفسیر اور ما قبل سے تعلق

۹۔ اس آیت سے چار اہم حقیقتیں روشنی میں آتی ہیں:۔

۱۔ نماز اور قربانی کو اس عطیہ سے کوئی خاص تعلق ہے، کیونکہ صیغہ امر پر فَ داخل ہوتا ہے۔

۲۔ ان دونوں کو عام طور پر الگ الگ کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور مخصوص ایام حج میں ایک ساتھ کرنے کا بھی۔

۳۔ نماز اور قربانی میں باہدگر کوئی خاص تعلق ہے۔

۴۔ یہ عطیہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔ نیز یہ کہ نماز اور قربانی دونوں ضروری ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر صرف ہم ہیں۔ مشرکین اور مبتدعین یہود و نصاریٰ اس شرف سے محروم ہیں، مشرکین اس لیے کہ ان کی نماز اور قربانی اللہ واحد کے لیے نہیں تھی۔ یہود، اس لیے کہ انھوں نے صرف قربانی کو لے لیا، نماز غائب کر دی، نیز ان کی قربانی "نحر" نہ تھی، نحر کا لفظ اونٹ کی قربانی کے لیے مخصوص ہے اور اونٹ ان کے ہاں حرام تھا۔ نصاریٰ، اس لیے کہ ان کے ہاں قربانی سرے سے نہیں ہے، اور نماز ان کے خیال میں واجب نہیں ہے۔ یہ مجمل اشارات ہیں، ان کی تفصیل کی ضرورت ہے۔ ہم متعدد فصلوں میں ان اشارات کی شرح کریں گے۔ پہلی دو باتیں تو اس فصل میں بیان کر دیتے ہیں۔ باقی دو باتوں کی تفصیل آیندہ فصلوں میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو اس عطیہ کی بشارت دینے کے بعد، دو باتوں کا حکم دیا: نماز اور قربانی۔ اور امر کے صیغہ پر تعقیب کی فَ داخل کی، قواعد زبان کے اعتبار سے تعقیب کی فَ سابق و لاحق یعنی عطیہ اور حکم کے درمیان نسبت اور تعلق کی دلیل ہے اس لئے ہم نے نظم کلام پر

غور کیا، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ربط کے بعض پہلو معلوم ہوئے۔ ذیل میں بترتیب ان کا ذکر کرتے ہیں۔

۱- اس حکم میں، اس بخشش کا اصلی مقصود پنہاں ہے، کیونکہ یہ بخشش بہت بڑے مقصد کے لیے تھی، چنانچہ فرمایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حج ۴)	جو اگر ہم ان کو زمین میں تمکن دیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے منکر سے روکیں گے،

ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ۔	اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو اس بن کھیتی کی زمین میں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے پروردگار! اس لیے کہ یہ نماز قائم کریں، پس تو یوں کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ (یعنی لوگ ان کے پاس تیرے گھر کی زیارت کے لیے آئیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے قدیم وطن سے ہجرت کر کے ایک بے آب و گیاہ سرزمین میں بسنا، محض اس لیے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت کا ایک مرکز تعمیر ہو، جو لوگوں کی عقیدت و انابت، سعی و طواف اور نذر و نیاز کا قبلہ ہو، اور جس طرح غلام اپنے آقا کی ڈیوڑھی پر گوش برآواز سرگرم عمل رہتے ہیں، اسی طرح لوگ اس گھر کی طرف لبیک لبیک۔ لاشریک لک لبیک کہتے ہوئے بڑھیں؛ اور اپنے امام کی زبان سے گھر والے کے اوامر و نواہی سے آگاہ ہوں اسی لیے فرمایا:—

اس سے معلوم ہوا کہ اس گھر کی تعمیر نہایت عظیم الشان مقاصد کے لیے ہوی ہے اور خدانے انہی مقاصد کی خدمت اور تکمیل کے لیے ان کو اس پر قبضہ دیا ہے، ان مقاصد کا لب لباب دو چیزیں ہیں۔ نماز اور قربانی۔ پس اس عطیہ کے ذکر کے بعد ان دونوں کا ذکر کر دیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عطیہ یوں ہی نہیں مل رہا ہے، بلکہ اس کے کچھ حقوق و فرائض ہیں، جن کا اہتمام اصل مقصود ہے۔ یہ گویا بقائے حقوق کے عام اور معروف قانون کے مطابق ایک مسلم حق کا اظہار کیا گیا، کیونکہ کوئی عطیہ بغیر کسی فرض کی ذمہ داری کے نہیں ملتا جب ہم کچھ لیتے ہیں تو لامحالہ ہم کو کچھ نہ کچھ دینے کے لیے بھی آمادہ رہنا چاہیے۔ مندرجہ ذیل آیات کی بنیاد اسی حقیقت پر ہے۔

لِيَبْلُوَكُمْ فِيمَا آتَاكُمْ - تاکہ تم کو جو کچھ دیا ہے، اس میں آزمائے۔

اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اللہ نے جس طرح تم پر احسان فرمایا، اسی طرح تم دوسروں کے ساتھ احسان کرو۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق دو۔

۲۔ ربط کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس عطیہ کے ذکر کے بعد اس چیز کا ذکر کیا گیا جو اس کے بقا و قیام کی بنیاد ہے۔ چنانچہ نماز اور قربانی کا حکم تمام امت کے لیے عام ہوا کیونکہ یہ نعمت بھی پیغمبر اور اس کی امت کے لیے عام تھی پیغمبر امت کا وکیل ہوتا ہے، اس لیے جو کچھ اس کو ملتا ہے، اس میں امت بھی شریک ہوتی ہے، اسی لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا، جیسا کہ گزر چکا ہے "میں تمہارے لیے حوض پر آگے جانے والا ہوں"۔ پس یہاں نماز اور قربانی کا حکم عام ہے، یہ بات سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ جب کوئی عبادت کسی عطیہ کے ساتھ مخصوص کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی پابندی ہی اس نعمت کے بقا کی ضامن ہو سکتی ہے، اسی حقیقت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے وعدوں کو اس وقت

بِاَنْفُسِهِمْ۔ (۱۱۔ رعد) تک نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنی ذمہ داریوں میں تبدیلی نہ کردے۔

یہاں جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے، ہم کو حج اور اس کے دوسرے آداب و مراسم کا حکم دیا گیا ہے، گویا یوں کہا گیا کہ "ہم نے تم کو کوثر بخشا" پس اس کے حقوق ادا کرو کہ یہ نعمت تمہارے ساتھ باقی رہے۔ چاہے نماز اور حج کو الگ الگ لو یا دونوں کو ایک ساتھ، مراد اس سے حج ہی ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ بیت اللہ کا مقصد نماز ہے اور اسی لیے اس کی تعمیر ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے استطاعت کے باوجود اس گھر کا حج نہ کیا، اس نے اس کا مقصد پورا نہیں کیا بعینہٖ یہی حال قربانی کا ہے جس نے حج میں قربانی کی سعادت حاصل نہ کی، وہ حقیقی قربانی سے محروم رہا۔ جو شخص ایسی قربانی کرتا ہے، وہ حجاج سے صرف ایک گونہ تشبیہ حاصل کرتا ہے، اور یہ قربانی کر کے گویا وہ ایک دن حقیقی قربانی کی سعادت کے حصول کی راہ تک رہا ہے۔ بہرحال! جو پہلو بھی اختیار کرو، آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حج امت پر لازم ہے، اور جو شخص حج سے بے پروا ہوا، اس نے گویا اپنے کو امت کے حلقے سے الگ کر لیا۔ حج کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد یہ بات بالکل غیر مشتبہ طور پر ہمارے سامنے آتی ہے قرآن مجید اور احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ آل عمران (۹۷)

اور لوگوں پر، اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا ہے جس کو استطاعت ہو، اور جو کفر کرے گا، تو اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حج سے بے پروا ہونے والا کافر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں پیغمبر صلعم اور مسلمانوں کے لیے تسلی ہے۔ گویا ان سے یوں کہا گیا

کہ کفار نے تم کو جوار بیت اللہ سے جلاوطن کیا اور نماز و قربانی سے روکا لیکن اب، جب کہ ہم نے تم کو
کوثر بخشا، پورے فراغ خاطر اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ اپنا حوصلہ پورا کرو"۔ اس سے ایک طرف
نماز، حج، قربانی اور دوسرے اعمال صالحہ کے لیے اس بے تابی کا اظہار ہوتا ہے، جو آنحضرت صلعم اور
آپ کے صحابہ کو بے چین کیے ہوئے تھی اور دوسری طرف اس میں بشارت، تسلی اور اظہار محبت کی
نہایت جان نواز ادائیں ہیں۔

۴- یہ اس عہد کا بیان ہے جس کی ذمہ داری خدا کے عطیہ کے بعد از خود ہم پر عائد ہو جاتی
ہے، کیونکہ نماز اور قربانی کے حکم کو خدا نے اپنے عطیہ کے ساتھ گویا مشروط کیا ہے۔ اس لیے جب ہم نے
خدا کا عطیہ قبول کر لیا تو اس حکم کو بھی اپنے اوپر واجب کر لیا۔ اور جب تک اس عہد پر قائم رہیں گے،
یہ عطیہ بھی ہمارے لیے باقی رہے گا۔ یہ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے، جیسا آدم و حوا کے ساتھ ہوا تھا
خدا نے ان کو جنت میں سکونت اور ہر چیز سے آزادانہ متمتع ہونے کی اجازت دی لیکن ایک مخصوص
درخت کے پاس پھٹکنے کی ممانعت کر دی۔ جب انھوں نے خدا کے بخشے ہوئے عطیہ کو قبول کر لیا تو
ان کے اوپر خدا کا یہ عہد بھی خود بخود واجب ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عہد سے تعبیر فرمایا:-

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔

اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے ایک عہد لیا لیکن وہ بھول گیا، اور ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی

چنانچہ یہ عطیہ اسی وقت تک باقی رہا جب تک وہ دونوں اپنے عہد پر باقی رہے۔ حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا، تو اس نے ان کو پورا کیا، خدا نے کہا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا ابراہیم نے

پوچھا اور میری ذریت میں سے ؟ خدا نے جواب دیا میرا یہ عہد ظالموں سے نہیں ہے۔

جب حضرت ابراہیم نے خدا کے فرمائے ہوئے حکموں کی تعمیل کر دی، خدا نے ان سے ایک عہد باندھا اور فرمایا کہ جب تک ان کی ذریت اس عہد پر قائم رہے گی خدا کا عہد بھی قائم رہیگا۔ اور جو اس کو توڑیں گے، وہ اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

۵- پانچواں پہلو یہ ہے کہ یہ عہد توحید کا بیان ہے قرآن نے اس عہد کو پوری تشریح و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اس کے دلائل کی تفصیل کی ہے۔ ان دلائل کا عام عنوان یہ ہے کہ وہ پرودگار ہے، اسی نے اپنی نعمتوں سے ہم کو مالا مال کیا، اس نے ہم کو خلعت وجود سے آراستہ کیا، بہترین ساخت پر پیدا کیا، اور ہمارے لیے رزق طیب کا وسیع خوان کرم بچھایا اس لیے اسی کی عبادت اور اسی کی پرستش کرنی چاہیے لیکن یہاں ایک مخصوص عظیم الشان نعمت کا ذکر ہے اس لیے توحید کا مطالبہ بھی اسی مخصوص پہلو سے کیا گیا ہے یعنی رجحان کلام گویا یوں ہوگا کہ جب خدا ہی نے ہم کو اس گھر کی خدمت و پاسبانی کی عزت بخشی ہے تو نماز و قربانی بھی اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔ اس میں ان مشرکین پر تعریض بھی ہوگی جو اس عہد کو فراموش کرکے غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہ حقیقت "اِنَّآ" (بے شک ہم نے) اور "لِرَبِّکَ" (اپنے خداوند ہی کے لیے) کے الفاظ پر غور کرنے سے سامنے آتی ہے، یعنی ہم نے تم کو بخشا ہے اس لیے تمہارا فرض ہے کہ مشرکین کے برخلاف صرف ہماری نماز پڑھو اور ہمارے ہی لیے قربانی کرو۔ سورۃ حج میں یہ مضمون بار بار بیان ہوا ہے، اس لیے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے بھی آیت کی تفسیر یوں ہی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"لوگ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے تھے، اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے۔ جب ہم نے تم کو اے محمدؐ کوثر بخشا تو تمہاری نماز اور قربانی صرف ہمارے لیے ہونی چاہیے۔" (باقی)